ڈاکٹر سیّد شیراز علی زیدی ❋

خرم علی شفیق کی تصنیف ''اقبال کی منزل'' کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of Khurram Ali Shafiq's book *Iqbal ki Manzil*

By *Dr. Syed Sheraz Ali Zaidi, Asst. Prof., Department of Iqbal Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

ABSTRACT

Iqbal ki Manzil is a biography of Allama Iqbal compiled by Khuram Ali Shafiq. According to Author, this is first authentic biography written on Allama Iqbal's life based on documents. Earlier, Iqbal's biographers did not follow this principal. The author has previously worked on a project to write a five-volumes book on Iqbal's biography, three of which have been published from Iqbal Academy, Lahore. It is as if the author is denying the authenticity of his previous work by making this claim. But when we look at the list of sources in this book, we found almost the same sources which other biographers also used. This article consists of critical study of this book which show how true the author in his claim.

Keywords: Biography, Allama Iqbal, Document, Authenticity

خرم علی شفیق ۲۳/ جون ۱۹۶۸ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے عملی زندگی کا آغاز بطور معلم کیا اور مختلف تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے پرائیویٹ ٹی وی چینلز کے لیے کچھ ڈرامے بھی لکھے۔ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۵ء تک بہ حیثیت ریسرچ کنسلٹنٹ اقبال اکادمی سے بھی اعزازی طور پر وابستہ رہے۔ اقبالیات سے انھیں خاص شغف حاصل ہے۔ وہ علامہ اقبال کی باتصویر سوانح پر ۲۰۱۱ء میں صدارتی ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ درجنوں مقالات کے علاوہ انھوں نے انگریزی اردو میں کئی تحقیقی اور تخلیقی کتب تصنیف و

❋ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تالیف کی ہیں جن میں اقبالیات کو اختصاص حاصل ہے۔مصنف نے علامہ اقبال کے سوانح پر پانچ جلدوں میں ایک مفصل کتاب کا منصوبہ ترتیب دیا جس کے تحت تین ضخیم کتب شائع ہوئیں۔ان کتب میں ''دمادم رواں یم زندگی'' (۱۹۰۴ءتک)، ''اقبال کا تشکیلی دور'' (۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۳ءتک)، ''اقبال درمیانی دور'' (۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ءتک) کے سوانح کا احاطہ کرتی ہے۔اس کے بعد انھوں نے ''اقبال: دورِعروج'' تصنیف کی جو ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ءتک کے حالات پر مشتمل ہے یہ کتاب ۲۰۱۷ء میں مکمل ہوئی مگر بوجوہ شائع نہیں ہوسکی، اقبال اکادمی نے اسے پی ڈی ایف فائل میں انٹرنیٹ پر آن لائن کیا۔مصنف نے اس سلسلے کی آخری کتاب ''اختتامی دور'' کے عنوان سے مکمل کر لی جو ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۷ءتک کے حالات کا احاطہ کرتی تھی لیکن اس کتاب کو اس وجہ سے شائع نہیں کیا کیوں کہ دورانِ تحقیق مصنف پر یہ عقدہ کھلا کہ اقبالیات کے اکثر ماخذ جنھیں قابل اعتبار سمجھا جاتا رہا ہے سخت ناقابل اعتبار ہیں۔[1] اس لیے تحقیق اور چھان پھٹک کے بعد اقبال کے سوانحی حالات نئے سرے سے لکھنے کی ضرورت ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب ''اقبال کی منزل'' (۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۶ء) تک اسی سلسلے کی کڑی ہے جو ۲۰۱۹ء میں رائٹ وژن پبلی کیشنز نے پہلی بار شائع کی۔یہ کتاب ۸۶۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے ۱۲ ابواب ''معرفت کی وادی''، ''اجتہاد کا دروازہ''، ''خدا کا شہر''، ''مرغدین''، ''درندوں کی بستی''، ''جبریل کا نشیمن''، ''اقبال کا گھر''، ''جنگ کا میدان''، ''سورج کی سرزمین''، ''بارگاہِ رسالت''، ''اورنگ زیب مسجد''، ''منزلِ مراد'' کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ایک ضمیمہ ''تصانیفِ اقبال کے پہلے ایڈیشن'' اور آخر میں سوا صفحات کا مضمون ''عرضِ ناشر'' کے عنوان سے موجود ہے۔ضمیمے میں علامہ اقبال کی تصانیف ''جاوید نامہ''، ''ری کنسٹرکشن آف...''، ''بالِ جبریل''، ''مثنوی مسافر''، ''ضربِ کلیم''، ''پس چہ باید کرد'' اور ''ارمغانِ حجاز'' کی اوّلین اشاعتوں کی فہرست مضامین دی گئی ہے۔دیگر کتب کی اولین اشاعتوں تک مصنف کی رسائی نہیں ہوسکی یا انھوں نے شاید یہاں ضروری نہیں سمجھا۔اس کے علاوہ بادی النظر میں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس ضمیمے کی ضرورت مصنف نے کیوں محسوس کی۔غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اولین اشاعتوں میں کن کتب میں فہرستِ مضامین شامل ہے اور کن میں نہیں۔جن کی فہرست شامل نہیں ان کی ترتیبی ہیئت کو مختصر نوٹ کی مدد سے واضح کر دیا ہے۔ابتدائیے میں ''پہلی بات'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> یہ علامہ کی پہلی مستند سوانح ہے۔مستند سے میری مراد یہ ہے کہ ہرممکن حد تک
> دستاویزی شواہد سے معلومات حاصل کی گئی ہیں۔اب تک کسی سوانح میں یہ خیال

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> نہیں رکھا گیا تھا بل کہ ہر سوانح نگار نے زبانی روایات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔اقبالیات کے شعبے میں یہ چلن اتنا عام تھا کہ میں نے بھی مدتوں اسی پر عمل کیا۔اقبال کی زندگی کے آخری زمانے کے بارے میں اپنی تحقیق مکمل کرنے کے بعد ہی مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوسکی۔وجہ یہ تھی کہ اس زمانے سے متعلق دستاویزی شواہد بہت زیادہ دستیاب ہیں۔ (۲)

''پہلی بات'' کی ان ابتدائی سطور سے یہ بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ مصنف نے اقبال کے سوانحی حالات پر لکھی گئی تمام کتابوں کے ساتھ قبل ازیں لکھی گئی خود اپنی ضخیم کتب کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ: ''اقبالیات کے شعبے میں یہ چلن اتنا عام تھا کہ میں نے بھی مدتوں اسی پر عمل کیا۔'' لہٰذا ان کی گزشتہ کتب کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے۔ البتہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ''ہر سوانح نگار نے زبانی روایات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔'' اور دستاویزی شواہد سے ان کی کیا مراد ہے؟ جہاں تک تحقیق میں لفظ ''دستاویز'' کا تعلق ہے تو اس کے لغوی معنی اردو بورڈ کی لغت میں درج ذیل ہیں:

> ا۔ کوئی اہم تحریر، یادداشت، اقرارنامہ جو آئندہ حوالے کے لیے مفید ہو ۲۔(قانون) وہ کاغذ جو دو یا کئی شخصوں کے مابین کسی معاملے میں بطور سند لکھا جائے،تمسک، اقرارنامہ، راضی نامہ ۳۔ضابطہ، دستور، ہدایت نامہ ۴۔وسیلہ، سہارا ۵۔ثبوت، سند ۶۔نشانی، علامت ۷۔وہ چیز جو گرفت میں لے لے یا باندھ دے (شاذ) ۸۔(مجازاً) کرنسی نوٹ،سرکاری تمسکات۔ (۳)

اب ''اصولِ ادبی تحقیق'' سے بھی دستاویز کی تعریف دیکھتے چلیے:

> دستاویز کسی بھی بصری علامات پر مبنی شے کا نا ہے جو ہمیں اطلاعات یا معلومات مہیا کرتی ہے اور اسے انسانی ریکارڈ کہا جاسکے۔روایتی طور پر وہ حروف اور علامات پر مشتمل ہوتی ہے۔ (۴)

ظاہر ہے ہر سوانح نگار نے اپنی طرف سے دستاویزات کی مدد ہی سے اقبال کے سوانحی حالات لکھنے کی کوشش کی ہے کیوں کہ سوانحی تحقیق دستاویزات کے سوا ممکن ہی نہیں ہوتی اسی لیے اسے تاریخی دستاویزی تحقیق کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ اور ابتدا میں جو حالات اقبال کی اپنی حیات میں ان کے دوستوں نے لکھے وہ بذات خود دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر محقق اپنے انداز میں دستاویزات کی چھان پھٹک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کرتا اور نتائج اخذ کرتا ہے۔ خرم علی شفیق دستایز کے ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

> چناں چہ اب میں اقبالیات کے میدان میں پہلی دفعہ یہ اصول متعارف کروا رہا ہوں کہ دستاویزی ثبوت کے بغیر کسی بھی روایت کو یقینی نہ سمجھا جائے خواہ راوی کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو۔(۵)

یہ بیان واضح ہیں، دستاویز سے مصنف کیا مراد لیتے ہیں۔ غالباً وہ یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ دستاویزات کی درست چھان پھٹک کے بغیر اقبال کے سوانحی حالات مرتب کیے جاتے رہے ہیں۔

محققین سے دستاویزات کے سلسلے میں التباس ہوتے رہتے ہیں اسی لیے نئی تحقیق کی راہیں بھی ہموار رہتی ہیں ورنہ ایک بار سوانح لکھنے کے بعد دوسری مرتبہ لکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ادبی تحقیق کے اصولوں پر مبنی کتابوں میں ایسے تسامحات کی مثالیں طلبہ کو سمجھانے کے لیے عام طور پر لکھی جاتی ہیں تا کہ وہ مستقبل میں ان امثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے تحقیق مقالے مرتب کریں۔ خرم علی شفیق نے بھی ابتدائیے میں ایسے التباسات کی چند مثالیں پیش کی ہیں مگر ان التباسات کو مثال بنا کر تمام سوانحی کتب کو سرے سے رد کر دینا بھی یقیناً درست نہیں ہے۔ جب کہ مصنف کا ماخذ بھی تقریباً وہی ماخذات ہیں جن سے دوسرے محققین بھی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ حوالوں سے لے کر کتابیات تک وہی کتب، رسائل، جرائد اور اقبال نامے موجود ہیں۔ وہ چیز کہیں نظر نہیں آتی جسے مصنف نے دستاویزی ثبوت کہا ہے۔ البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے کہیں کہیں دستاویزات کی مدد سے اپنے تجزیے کیے ہیں جو تحقیق میں ایک عام چلن ہے۔ بہرحال یہ دعوا ہرگز درست نہیں ہے کہ انھوں نے اقبالیات کے میدان میں پہلی بار دستایزی اصول متعارف کرائے ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے یہ دعوا بھی کر دیا ہے کہ ''ممکن ہے کہ یہ صرف اقبالیات ہی نہیں بل کہ سوانح نگاری کے میدان میں بھی ایک نیا تجربہ ہو۔''(۶) اسے صرف مبالغہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

کتاب مضبوط جلد میں کافی نفاست سے شائع ہوئی ہے۔ چہار رنگ سرورق، اقبال اور چند معاصر کی تصاویر سے مزین ہے۔ سفید روشنائی سے کتاب اور مصنف کا نام درج کیا گیا ہے۔ گرد پوش موجود نہیں۔ پشتہ سیاہ رنگ کا ہے، اس پہ سفید روشنائی سے مصنف اور کتاب کا نام خوب واضح ہوتا ہے اور الماری میں رکھے ہونے کی صورت میں کتاب با آسانی نظروں میں آجاتی ہے۔ سیاہ پس ورق پر پر سفید روشنائی سے تقریباً وہی دو پیرے تحریر ہیں جو ابتدائیے میں بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ زیر نقد کتاب کے سلسلے کی دو مزید کتب کی اطلاع بھی بہ طور اشتہار دی گئی ہے۔ کتاب کی قیمت ۱۵۰۰ روپے مقرر کی گئی ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کتاب کے خاکے پر نظر ڈالیے تو بارہ ابواب اور ایک ضمیمے پر مشتمل ۸۶۴ صفحات کی اس ضخیم کتاب کو تاریخی ترتیب سے بارہ ابواب میں اس اہتمام سے منقسم کیا گیا ہے کہ ہر باب مختلف عرصے مثال کے طور پر کوئی باب چھ ماہ، کوئی، تین سال اور کوئی دو سال وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ابواب کے اندر بھی متن کو ہندسوں کی ترتیب سے تقسیم کیا گیا ہے۔کہیں ذیلی عنوانات بھی موجود ہیں۔ہندسوں کی ترتیب سے متن کو تقسیم کرنے کی ظاہری منطق تو کوئی نظر نہیں آتی۔جیسے کہ پہلے باب میں نمبر ا کے تحت ۱۹۲۷ء کے آغاز میں رونما ہونے والی ثقافتی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے یکم جنوری کو عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر کی علامہ کے ملازم علی بخش سے ملاقات، دس برس قبل لکھی جانے والی ''اسرار و رموز'' غلام قادر کو لکھے گئے خط اور اس میں مثنوی کے تیسرے حصے ''حیاتِ مستقبلۂ اسلامیہ'' ۱۹۲۳ء، میں شائع ہونے والی ''پیامِ مشرق''اور اس کے بعد ''زبورِ عجم'' کو موضوع بنایا ہے،مشہور شعر ''اگر ہوشوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم'' پر حصے کا خاتمہ ہے۔

نمبر ۲ کے تحت مؤرّخہ ۲، ۳، ۴رجنوری کے واقعات بالترتیب ہیں لیکن پھر ایک پیرا یہاں سے شروع ہوتا ہے، ''اس ماہ حیدر آباد دکن سے 'اسلامک کلچر' شائع ہوا۔''[۷] یہاں تاریخ وار ترتیب ٹوٹ گئی اور معلوم نہیں ہوسکا کہ جنوری میں سہ ماہی جریدہ کس تاریخ کو شائع ہوا۔نمبر چار میں علامہ کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی اشاعت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ علامہ نے ۱۱رجنوری کو اس کی اشاعت کی اجازت دی، پھر ۲۰رجنوری کے ''زمیندار'' اخبار کی خبر کا ذکر ہے، بہرحال یہ تقسیم نہ تو تاریخ وار ہے نہ ہی ماہ وار ہے۔متن کو مہینوں یا دنوں کے اعتبار سے اس طرح ترتیب نہیں دیا گیا کہ آپ کسی خاص نمبر کے تحت کسی خاص دن یا مہینے کے حالات جان سکیں، آپ کو تلاش کرنا پڑے گا۔حال آں کہ یہ اہتمام کیا جاتا تو نہ صرف پڑھنے والے کے لیے بہت آسانی ہوجاتی بل کہ ترتیب متن میں ایک خاص سلیقہ آجاتا۔

اسی طرح ابواب کو عنوانات دینے میں بھی مصنف کی اپنی ہی جدت طرازی نظر آتی ہے۔مثلاً پہلے باب کا عنوان ''معرفت کی وادی'' ہے۔اس کو یہ عنوان کیوں دیا گیا ہے۔یہ کس کی معرفت کی وادی ہے؟ وادی کس شے کی علامت یا استعارہ ہے؟ اور وادی ہی کیوں؟ شہر یا نگر، دریا گلستان وغیرہ کیوں نہیں؟ اور معرفت کا یہ باب جون ۱۹۲۷ء میں ۲۵ صفحات پر ختم کیوں ہوگیا؟ کیا اس کے بعد معرفت یا معرفت کی ضرورت ختم ہوگئی۔دوسرے باب کا عنوان ''اجتہاد کا دروازہ'' ہے۔عنوان کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہاں اجتہاد کے سلسلے میں علامہ کی مساعی کو موضوع بنایا جاتا مگر یہاں جون تا جون ۱۹۲۷ء کے تمام واقعات درج ہیں۔عرف عام میں تو اقبال کی تمام زندگی ہی اجتہادی مساعی پر مبنی ہے لیکن اگر دروازہ ہی کہنا ہے تو اس کی باقاعدہ شروعات علامہ کے قیامِ یورپ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نظر آتی ہے۔غرض کہ ابواب کے عنوانات میں بھی کسی قسم کی کوئی منطق نظر نہیں آتی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے عام طور پر شعرا کسی نظم کے عنوان پر یا کسی شعر میں کسی لفظ کی مناسبت سے کتاب کا نام رکھ دیتے ہیں۔اسی طرح خرم علی شفیق نے بھی کسی واقعے کی مناسبت سے ابواب کے عنوانات قائم کر دیے ہیں۔جیسے کہ زیرِ بحث باب کا عنوان اقبال کے فلسفیانہ لیکچرز کی مناسب سے ہوسکتا ہے۔البتہ یہ اہتمام بھی ہر جگہ واضح نہیں ہے جیسے کہ پہلے باب کا عنوان ''معرفت کی وادی۔'' لگتا ہے عنوانات کی جدت طرازی کا شوق خرم علی شفیق کو ڈاکٹر سلیم اختر کی ''اردو کی مختصر ترین تاریخ'' پڑھ کر ہوا ہے۔سلیم اختر کی تاریخ ادب میں ''فلسفہ اور تنقید کی کھیا''، ''پھول جمع کرانے والے''، ''لفظ کی دھار''، ''بڑا داغ'' وغیرہ جیسے عنوانات نظر آتے ہیں۔[۷] خرم علی شفیق کی منطق کا بآسانی اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

> اگرچہ اقبال کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی لیکن کتاب کو مزید آٹھ برس آگے تک لے جا کر تاریخ کے اس واقعے پر ختم کیا گیا ہے جسے صحیح معنوں میں ''اقبال کی منزل'' کہہ سکتے ہیں۔[۸]

اقبال کی منزل سے مصنف کی استعاراتی زبان میں مراد پاکستان ہے اور اسی مناسبت سے انھوں نے کتاب کا عنوان بھی ''اقبال کی منزل'' قائم کیا ہے اور بیک فلیپ پر واضح بھی کر دیا ہے۔یہ واقعی اس اعتبار سے اردو کی واحد اور منفرد سوانح عمری ہے جو شخصیت کے سوانح اور عمر ہر دو ختم ہوجانے کے آٹھ سال بعد تک جاری رہتی ہے۔شاد باد منزلِ مراد۔

مصنف کو یہ کتاب لکھنے کی ضرورت سوانح اقبال میں موجود تسامحات یا التباسات کی وجہ سے پیش آئی انھوں نے اسی ابتدائیے میں چند کی نشاندہی کی ہے۔پہلی مثال انھوں نے مہا راجا کشن پرشاد کے نام اقبال کے خط مرقومہ ۱۵/ اپریل ۱۹۱۷ء سے دی ہے جس میں اقبال نے گورنمنٹ کالج میں اعلیٰ پروفیسر کی حیثیت سے تقرری اور کالج میں اٹھارہ ماہ کام کرنے کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد وہ حسن اختر ملک کے مقالے ''اقبال ایک تحقیقی مطالعہ'' کے صفحات ۴۷-۵۷ کے حوالے سے مرقوم ہیں کہ اس زمانے میں اعلیٰ پروفیسر کا کوئی عہدہ نہیں تھا۔اس لیے اقبال کی مراد صرف پروفیسر ہے اس کے علاوہ علامہ نے ملازمت کا عرصہ اندازاً تحریر کیا ہے، ورنہ وہ اس سے کم عرصہ ملازمت میں رہے۔[۹] یہاں انھوں نے اقبال کے خط اور حسن اختر کے مقالے کے موازنے سے نتیجہ اخذ کیا ہے، لیکن اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ چوں کہ اسسٹنٹ پروفیسر اور ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے بھی یونی ورسٹی میں موجود ہوتے ہیں، اس کے علاوہ جیسے آج بھی کالج میں پڑھانے والے لیکچرر خود کو پروفیسر لکھتے

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2719-1915 (Online)

اور کہلواتے ہیں اسی لیے اقبال نے امتیاز قائم کرنے کے لیے اعلیٰ پروفیسر لکھ دیا ہو۔

سوال یہ ہے کیا اقبال کے سوانح نگاروں نے بھی ان کے خط سے استفادہ کرتے ہوئے اعلیٰ پروفیسر کے الفاظ استعمال کیے۔میرے سامنے اس وقت ''سرگزشت اقبال'' اور ''زندہ رود'' موجود ہیں۔''سرگزشت اقبال'' کے الفاظ یہ ہیں:

> ۳/ جون ۱۹۰۳ء کو انھیں اسی کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ یہ مستقل ملازمت تھی اور انھیں فلسفے کی تدریس کا کام سونپا گیا۔ ۱۹۰۵ء میں اسی ملازمت سے چھٹی لے کر اقبال یورپ گئے۔(۱۰)

''زندہ رود'' میں یوں درج ہے:

> ان کا تقرر دوبارہ گورنمنٹ کالج میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی ہوا جس کا چارج انھوں نے ۳ جون ۱۹۰۳ء کو لیا۔ مدت ملازمت ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء تک تھی لیکن ختم ہونے سے پیش تر اس میں چھ ماہ یعنی ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء تک کی توسیع کر دی گئی۔ اس مدت کے اختتام پر انھیں مزید توسیع دی گئی اور وہ فلسفہ پڑھانے پر معمور ہوئے... اسی منصب پر فائز تھے جب یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے انھوں نے یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء سے تین سال کی بلاتنخواہ رخصت لی۔(۱۱)

درجِ بالا دونوں اقتباسات سے یہ بات تو ظاہر ہو جاتی ہے کہ اقبال کے سوانح نگاروں نے ان کے خط کے مندرجات پر یقین کرتے ہوئے اعلیٰ پروفیسر نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ نذیر نیازی نے بھی ''چھے مہینے کے بعد ان کا تقرر بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج میں ہو گیا''(۱۲) ہی لکھا۔''دانائے راز'' ہی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۳ء میں تقرری پہلے انگریزی کے شعبے میں بہ طور ''ایڈیشنل پروفیسر'' کی گئی تھی چھ مہینے بعد ان کا تقرر بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر ہوا۔''ایڈیشنل پروفیسر'' کے الفاظ نیازی نے ڈاکٹر وحید قریشی کے حوالے سے لکھے ہیں۔(۱۳) تقرری اصل میں اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر ہوئی اور حسن اختر نے بھی ''پروفیسر'' غلط لکھا ہے۔ جہاں تک اقبال کے اٹھارہ ماہ مدت لکھنے کی بات ہے تو یہ تذکرہ ایک نجی خط میں ہے۔اقبال کسی اسامی کے لیے فارم نہیں بھر رہے تھے جو دن اور مہینے کا حساب کرتے۔ انھوں نے اندازاً ہی لکھا لیکن ان کی مدت ملازمت کی تمام تفصیل سوانح نگاروں نے دستاویزات کی مدد سے لکھ دی ہے۔محقق کبھی کسی ایک ماخذ پر انحصار نہیں کرتے... جاوید اقبال نے پنجاب گزٹ کی مدد سے معلومات فراہم کی ہیں۔اسی طرح دستاویزات کے تجزیوں سے نتائج اخذ کیے جاتے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہیں۔ یہاں یہ بات کہنا مقصود ہے کہ دستاویزت میں کہیں بھی اغلاط اور تسامحات ہو سکتے ہیں۔ یہ محقق ہی کی نقادانہ بصیرت پر منحصر ہے کہ تقابلی مطالعوں کے ذریعے کیا نتائج اخذ کرتا ہے۔

ایک مثال انھوں نے اقبال کی نظم ''ترانہ ہندی'' کی تخلیق سے متعلق دی ہے جس میں مدیر ''مخزن'' شیخ عبدالقادر کے نظم کی اشاعت کے وقت ادارتی نوٹ کا حوالہ گیان چند کی کتاب ''ابتدائی کلام اقبال، ص ۲۵۹ سے دیتے ہوئے اس کا تقابلی مطالعہ محمد حسن الاعظمی کی کتاب کے دیباچے سے کیا ہے جو شیخ عبدالقادر نے لکھا ہے۔ ۴؍ اکتوبر کے ''مخزن'' کے مطابق عبدالقادر نے ادارتی نوٹ لندن سے لکھ کر بھیجا۔ یعنی جب نظم شائع ہوئی تو وہ لندن میں تھے۔ جب کہ محمد حسن الاعظمی کی کتاب کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے کہ ملکی ترانے لکھنے کا خیال اقبال کے سامنے انھوں نے پیش کیا تھا اور وہ سنتے ہی سوچ میں غرق ہو گئے اور ان کی زبان سے یہ مصرع برآمد ہوا، ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' اور ان کے کہنے ہی پر اقبال نے دو دن میں نظم مکمل کی۔ [۱۴] اس سے خرم علی شفیق یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ: ''ظاہر ہے کہ ترانہ ہندی کی شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت درست نہیں ہے۔ حال آں کہ ایڈیٹر کے اپنے قلم سے صادر ہو رہی ہے اور وہ شاعر کا گہرا دوست بھی ہے۔'' [۱۵]

یہاں بہ طور محقق خرم علی شفیق کو براہ راست اکتوبر کے ''مخزن'' تک رسائی حاصل کر کے اس کا حوالہ دینا چاہیے تھا نہ کہ گیان چند کے الفاظ پر بھروسہ کرتے۔ کیوں کہ جس قسم کے دعوے وہ کر رہے ہیں اس کا تقاضا یہی تھا۔ اگرچہ الفاظ یہی ہوتے لیکن بنیادی ماخذ تک رسائی لازم تھی۔ اب رہی بات اس سے نتیجہ نکالنے کی تو اس میں بطور محقق تمام امکانات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ اکتوبر ۱۹۰۴ء کے ''مخزن'' میں نظم شائع ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ یہی مہینہ نظم کی تخلیق کا بھی ہے۔ ممکن ہے یہ بات درست ہو کہ شیخ عبدالقادر ہی کی کسی تحریک پر ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' کا مصرع بے ساختہ اقبال نے کہا ہو اور نظم دو دن بعد مکمل کر لی ہو لیکن نظم کہ کر نظر ثانی کی نیت سے رکھ لی ہو اور کئی ماہ تک اشاعت کے لیے نہ بھیجی ہو۔ اگر خرم علی شفیق اسی ''ابتدائی کلام اقبال'' کے دو چار صفحے پیچھے دیکھ لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ نظم ۱۶؍ اگست ۱۹۰۴ء کے اتحاد میں بھی چھپ چکی ہے اور گیان چند اس نظم کی بابت بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پروفیسر سلیم چشتی ''شرحِ بانگِ درا'' میں ص ۱۳۳ پر لکھتے ہیں کہ اقبال نے یہ ترانہ ۱۰؍ اگست ۱۹۰۴ء کو ایڈیٹر ''زمانہ'' کو بھیجا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں۔ شاید چشتی صاحب نے ۱۰؍ اگست ۱۹۰۴ء کا اقبال کا دستی متن دیکھا ہو گا لیکن وہ تو زمانہ کے متن سے بہت ترقی یافتہ ہے۔ [۱۶]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ستمبر ۱۹۰۴ء کے ''مخزن'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۹ رمئی کی رات کو سر عبدالقادر لندن پہنچے۔[۱۷] اگست کے ''اتحاد'' میں نظم شائع ہوئی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اقبال نے یہ دو تین ماہ قبل کہی ہو؟ سر عبدالقادر نے لکھا ہے:

> جذبات دل کے ایک سینے سے دوسرے پر منعکس ہونے کا بھی عجیب قانون ہے۔ ہمارے دوست نے مندرجہ ذیل اشعار میں ہو بہو وہ خیالات ظاہر کیے ہیں جو وطن سے دور ہونے کے سبب راقم کے دل میں ہیں۔ اگر میں نظم لکھتا تو لندن سے وہ خیالات ظاہر کرتا جو اقبال نے لاہور میں بیٹھ کر کیے ہیں۔[۱۸]

درج بالا بیان اشعار کی تعریف میں ایک ایسے محب وطن شخص کی کیفیت کا بیان ہے جو وطن سے دور ہے۔ اس میں نظم کی تخلیق کے زمانے کا تعین کہاں کیا گیا ہے؟ بہر حال تمام امکانات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ عبدالقادر نے بیان یہ جتانے کے لیے دیا ہے کہ اقبال سے انھیں کتنی قربت تھی اور اقبال ان کی بات کا کتنا اثر لیتے تھے۔ حال آں کہ شیخ عبدالقادر کو اقبال سے اپنی قربت ظاہر کرنے کے لیے ہرگز ایسے بیان کی ضرورت نہیں تھی جب کہ بعد میں قومیت سے متعلق اقبال کا موقف بھی یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ کسی روایت کو یکسر رد کر دینے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اس میں موجود سچائی کے تناسب کو پرکھا جائے۔

اب ان کی دی ہوئی ایک اور مثال کے بعد میں اس تجزیے کو سمیٹتا ہوں۔ نذیر نیازی نے علامہ اقبال سے ملاقات کا ایک واقعہ مکتوبات اقبال میں ایک خط کے پس منظر میں بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء کی صبح وہ اقبال کو دہلی لے جانے کے لیے لاہور پہنچے۔ تو باتوں باتوں میں اس روز کے اخبار کا ذکر آ گیا جس میں آرنلڈ کے انتقال کی خبر تھی۔ یہ خبر سن کر ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، اقبال سر جھکا کر خوب روئے اور فرمایا، اقبال اپنے دوست اور استاد سے محروم ہو گیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ جب نیازی نے اسلام سے ان کی عقیدت کا ذکر کیا تو اقبال نے کہا آرنلڈ کا اسلام سے کیا تعلق ان کی وفاداری انگلستان کے لیے تھی وہی ان کا دین تھا اور وہی دنیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور جاوید اقبال نے ''زندہ رود'' میں مکتوبات اقبال صفحہ ۷۶، ۷۷ کے حوالے سے اس کا وقوع ۱۹۳۰ء میں بتایا اور ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔[۱۹]

یہ واقعہ درج کرنے سے پہلے خرم علی شفیق نے درج ذیل الفاظ رقم کیے ہیں:

> پانچویں مثال اس طلسمِ ہوش ربا سے ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۹۵۷ء میں سید نذیر نیازی کی مرتب کی ہوئی ''مکتوباتِ اقبال'' شائع ہوئی۔ اس میں اقبال کے وہ خطوط شامل تھے جو مرتب کے نام لکھے گئے۔ اکثر خطوط سے پہلے مرتب نے سیاق و

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سباق واضح کیا جو میری تحقیق کے مطابق زیادہ تر فرضی اور من گھڑت ہے۔صرف یہی نمونہ ملاحظہ فرمالیجیے۔اس کتاب میں نیازی نے ایک درد بھرا واقعہ یہ کہ کر سنایا کہ یہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۳۳ء کو پیش آیا۔(۲۰)

واقعہ درج کرنے نے بعد خرم علی شفیق نے اس روایت کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آرنلڈ کا انتقال تین برس پہلے جون ۱۹۳۰ء میں ہوا، اس لیے ۱۹۳۳ء میں اس گفتگو کا امکان ہی نہیں۔ان کے بقول نذیر نیازی کو ۱۹۶۷ء میں اقبال کے انگریزی خطوط کا مجموعہ لیٹرز آف اقبال مرتب کرتے ہوئے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا ہوگا کیوں کہ اس میں لیڈی آرنلڈ کے نام اقبال کا تعزیتی خط شامل ہے جس میں ۱۶؍ جولائی ۱۹۳۰ء کی تاریخ درج ہے۔اس کے بعد نذیر نیازی کی خبر گیری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مگر نیازی نے غلطی کا اعتراف کرنے کے بجائے ''مکتوبات اقبال'' میں واقعہ اسی طرح رہنے دیا اور نئی کتاب ''دانائے راز'' میں اسے اور زیادہ ڈرامائی انداز میں دُہراتے ہوئے چپکے سے تاریخ بدل ڈالی... ان نمونوں سے اس مسالے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس سے آج تک اقبال کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی سوانح عمری تیار کی گئی ہے۔حقیقت خرافات میں کھو گئی/ یہ امت روایات میں کھو گئی۔(۲۱)

نذیر نیازی کی غلطی بقول مصنف یہ ہے کہ انھوں نے جون ۱۹۳۰ء کی جگہ ڈرامائی انداز میں ''دانائے راز'' میں ۱۵؍ جولائی ۱۹۳۰ء کی تاریخ ڈال دی مگر یہ تاریخ بھی خرم علی شفیق کے تجزیے کے مطابق درست نہیں ہے۔اسی لیے وہ ان روایات کو سرے سے من گھڑت اور فرضی قرار دیتے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا صرف تاریخ کی غلطی کی بدولت کسی واقعے کا سرے سے انکار کر دینا اور اسے فرضی اور من گھڑت قرار دینا درست ہے؟ نذیر نیازی کو ایسا واقعہ گھڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔؟ کیا اس واقعے میں کوئی ایسی بات ہے جو اقبال کے نظریات سے متصادم ہے۔آرنلڈ سے اقبال کی عقیدت بھی ڈھکی چھپی نہیں اور آرنلڈ کی انگلستان سے وفاداری غیر متوقع نہیں اور اسلام سے آرنلڈ کی عقیدت کہیں ثابت نہیں۔جب کوئی شخص اپنی یاداشت کی بنا پر واقعہ تحریر کرتا ہے تو تاریخ کے بیان میں غلطی کی گنجائش موجود رہتی ہے۔نذیر نیازی کے ذہن میں سال موجود رہا مہینا اور تاریخ یاد نہیں رہی۔اس کی درستی محقق کا منصب ہے۔ہم تک اقبالیات کا کثیر سرمایہ اقبال کے انھی دوستوں کے توسط سے پہنچا ہے۔اگر ہم اسی طرح ہر روایت کا سرے سے انکار کرتے رہے تو اقبالیات کے ایک بڑے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سرمائے سے محروم ہو جائیں گے۔ پس ورق پر درج ذیل الفاظ بھی تحریر کیے گئے ہیں:

> اس کتاب میں علامہ اقبال کی زندگی کے بہت سے شاندار پہلو بالکل پہلی دفعہ سامنے آ رہے ہیں۔ پوری کتاب اس طرح لکھی گئی ہے کہ آپ کی دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ (۲۲)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اقبال کی زندگی کے بہت سے شاندار پہلو بالکل پہلی دفعہ سامنے آ رہے ہیں تو میری رائے میں بہتر تھا کہ جو پہلو نئے تھے (''بہت سے'' کے الفاظ سے مجھے اختلاف ہے کیوں کہ مصنف کے اکثر ماخذ وہی ہیں جن سے دوسرے محققین بھی استفادہ کرتے رہے ہیں حتا کہ حوالے کی کتب میں خود ان کی اپنی گزشتہ کتب بھی موجود ہیں، تفصیلات بھی تقریباً معلوم شدہ ہیں، انھی کو مفصل مضمون کی صورت میں منتقل کر دیتے تا کہ اقبالیات کے ضمن میں شوق سے پڑھی جاتیں اور اقبال کی سوانح عمریوں کے تسامحات پر اپنے تجزیوں کی روشنی میں کتاب مرتب کر دیتے، اس سے ایک تو قاری کو بار بار کی پڑھی ہوئی باتوں سے نجات ملتی اور مصنف کی دیگر کتب کی اعتباری حیثیت بھی کلی طور پر ختم نہ ہوتی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ پوری کتاب اس طرح لکھی گئی ہے کہ دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کتاب کا اسلوب ایسا نہیں ہے کہ قاری شروع سے آخر تک تسلسل کے ساتھ واقعات کہانی کے انداز میں پڑھتا چلا جائے۔ اس کتاب میں واقعات کے ٹکڑے سپاٹ طریقے سے جڑے نظر آتے ہیں جن میں کہانی کی سی دلکشی نہیں اور پڑھتے ہوئے طبیعت پر اکثر گرانی طاری ہوتی ہے۔ اسی لیے اس انداز میں لکھی گئی کتب لائبریریوں کے خانوں میں ہی پڑھی رہ جاتی ہیں کیوں کہ عام قاری کے ذوق مطالعہ کی آبیاری نہیں کر پاتیں۔ یہ انداز غلام حسین ذوالفقار کی ''اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا'' جیسی کتابوں پر جچتا ہے جن کی ضخامت بہت کم ہوتی ہے اور قاری بآسانی پڑھ لیتا ہے۔ میری نظر میں اس سے قبل لکھی جانے والی سوانحات زیادہ موزوں اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔

''آپ بیتی علامہ اقبال'' کے عنوان سے ڈاکٹر خالد ندیم نے سنین وار علامہ کی سوانح مرتب کی ہے جو ۲۰۱۵ء میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی سے شائع ہوئی۔ انھوں نے اس سوانح کی بنیاد ہی علامہ اقبال کی اپنی تحریروں پر رکھی ہے۔ یہ سوانح چوں کہ آپ بیتی کے عنوان سے ہیں اس لیے انھوں نے اسے خطوط اور ملفوظات وغیرہ کی مدد سے صیغہ واحد متکلم میں مرتب کیا ہے۔ ''اقبال کی منزل'' کی نسبت اس کتاب کا مطالعہ طبیعت پر گراں نہیں گزرتا، اگرچہ مختلف واقعات جمع کیے گئے ہیں لیکن اخباری انداز میں معلومات کا صرف ڈھیر لگانے کی بجائے یہ اہتمام کیا ہے کہ پڑھنے والا سمجھے کہ اقبال بذات خود اس سے مخاطب ہیں۔ اب کسی شخص کی آپ بیتی مرتب

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کرنے کے لیے اس کے خطوط اور ملفوظات پر کس حد تک انحصار کیا جاسکتا ہے اس کا فیصلہ یقیناً مرتب کا اپنا ہوتا ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خطوط اور ملفوظات کے ذریعے انسانی زندگی کے بہت سے گم نام پہلوؤں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔سوانح مرتب کرتے وقت انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ایسی سوانح کو غیر دستاویزی قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر خالد ندیم بھی اقبال کے سوانح نگار ہیں لیکن انھوں نے ۲۰۱۵ء میں اقبال کے سوانح مرتب کرتے وقت اقبال کے دیگر سوانح نگاروں کو رد نہیں کیا۔انھوں نے بشمول خرم علی شفیق تمام کی خدمات کا اعتراف کیا ہے:

> مذکورہ بالا سوانح عمریاں ہمارے معروف محققین نے تحریر کی ہیں اور بعض تسامحات اور کمزوریوں کے باوجود علامہ مرحوم کی سوانح اور شخصیت کو سمجھنے میں معاون ہیں۔(۲۳)

ڈاکٹر خالد ندیم اقبال کی سوانحات کے ہجوم میں ڈاکٹر خالد ندیم اپنی کتاب کا جواز اس طرح پیش کرتے ہیں:

> اقبال کی بعض سوانح عمریاں تحقیقی اصولوں اور تجزیاتی حوالوں سے مزین ہیں اور عہدِ حاضر کے مطالبات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔اس کے باوجود ان پر ممدوح کی شخصیت کے برعکس سوانح نگار کی شخصیت کا رنگ نمایاں رہا ہے جب کہ زیر نظر تالیف کے حق میں اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ سوانح عمری نہیں جس میں مصنف کی شخصیت شامل ہوجائے بل کہ یہ آپ بیتی ہے جس میں صرف اقبال ہم کلام ہیں۔البتہ مرتب و مولف کا فریضہ صرف یہ رہا ہے کہ اقبال کی تحریر اور گفتگو کو زمانی ترتیب سے مزین کردے۔(۲۴)

ڈاکٹر خالد ندیم کی اس کتاب کا اسلوب بھی کچھ منفرد نہیں اس سے قبل محمد شاہد حنیف ''اقبال کی کہانی اقبال کی زبانی'' میں اسی اسلوب سے اقبال کے سوانح کو مختصراً تحریر کرچکے ہیں۔(۲۵) بہر حال ایک ہی دہائی میں منظر عام پر آنے والی اقبال کے سوانح پر مشتمل دو کتب میں مرتبین کے دو مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔خرم علی شفیق نے بھی سنہ وار ترتیب سے اقبال کے سوانح مرتب کیے ہیں اور ڈاکٹر خالد ندیم نے بھی۔خالد ندیم دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے سوانحی حالات میں مصنف کی شخصیت کو علاحدہ رکھا جس کی وجہ سے ممدوح کے حالات و واقعات تک قاری کی براہ راست رسائی ممکن ہوجاتی ہے اور یوں وہ تحلیل وتجزیہ کی دشواریوں سے دامن بچا کے گزر گئے ہیں جب کہ خرم علی شفیق نے خطوط کے تسامحات کے حوالے سے بھی اپنی کتاب میں گرفت کی ہے اس طرح ان کا

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

کام زیادہ مشکل ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ تحلیل و تجزیے کے ذریعے جب نتائج اخذ کیے جاتے ہیں تو اس میں ماخذ کے ردّ و قبول کے لیے قوی دلائل اور عمیق تنقیدی بصیرت درپیش ہوتی ہے اور اس کے باوجود بھی مرتب کو تنقید و تنقیص کا سامنا رہتا ہے۔

بہرحال خرم علی شفیق کی محنت اور دقت نظری سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بے شک دستاویزات کے دفتر کھنگالنا اور تنقیدی نظر سے ایک ضخیم کتاب مرتب کر دینا کوئی سہل کام نہیں ہے۔اس کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔تاہم میری نظر میں جو چیدہ چیدہ باتیں اس کتاب کے مطالعے سے آئیں وہ میں نے درج کر دی ہیں۔کتاب کے متن کا مفصل جائزہ اس مضمون کے احاطے سے باہر ہے۔ اس کے لیے ضخیم مضمون درکار ہوگا۔ کوشش ہوگی کہ میری زیرنگرانی خرم علی شفیق پر کام کرنے والی طالبہ اس کتاب کے متن کی تفصیلی چھان پھٹک کریں تاکہ مزید واضح ہوسکے کہ مصنف اس کتاب کے مقصد میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔

حواشی

۱۔ یہ معلومات راقم کو ایم فل اقبالیات کی اسکالر ماریہ غنی سے حاصل ہوئیں جو میری نگرانی میں خرم علی شفیق پر مقالہ لکھ رہی ہیں۔انھوں نے یہ معلومات ٹیلی فونک اور ای میل انٹرویز کے ذریعے حاصل کیں۔زیرنقد کتاب بھی مجھے طالبہ مذکور کے توسط سے حاصل ہوئی۔

۲۔ خرم علی شفیق، ''اقبال کی منزل'' (۱۹۲۷ء۔۱۹۴۲ء) (لاہور: رائیٹ وژن پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ص ۶

۳۔ اردو لغت تاریخی اصول پر:

http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%AF%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%88%DB%8C%D8%B2&posi=offline

رجوع کردہ، یکم نومبر ۲۰۲۰ء

۴۔ ڈاکٹر عطش درّانی، ''اصولِ ادبی تحقیق'' (تکنیکی امور)، (لاہور: نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۴۸

۵۔ خرم علی شفیق، ص ۶

۶۔ ایضاً، ص ۱۲

۷۔ دیکھیے، ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، آغاز سے ۲۰۱۰ء تک''، مصنفہ ڈاکٹر سلیم اختر، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)

۸۔ خرم علی شفیق، ص ۱۶

۹۔ ایضاً، ص ۶

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ''سرگزشتِ اقبال'' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء) ص ۴۰، طبع دوم

۱۱۔ جاوید اقبال، ''زندہ رُود، حیات اقبال کا تشکیلی دور''، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء) ص ۹۰، اشاعت سوم

۱۲۔ سیّد نذیر نیازی، ''دانائے راز''، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۰۵

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ خرم علی شفیق، ص ۶۔۷

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۵۔ ایضاً،ص ۷

۱۶۔ ڈاکٹر گیان چند،''اقبال کا ابتدائی کلام، بہ ترتیب ماہ وسال''،(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء)،ص ۲۵۸

۱۷۔ دیکھیے''مخزن''،ص ۳، Rekhta.org/books/makhzan-lahore-shumara-number-006-shaikh-abdul-qadir-magazines-2

۱۸۔ ایضاً،ص ۲۵۹

۱۹۔ جاوید اقبال،ص ۷۷

۲۰۔ خرم علی شفیق،ابتدائیہ،ص ۱۰

۲۱۔ ایضاً،ص ۱۰۔۱۱

۲۲۔ ایضاً، پس ورق

۲۳۔ ڈاکٹر خالد ندیم،''پیش گفتار''،''آپ بیتی علامہ اقبال''(بنگال: مغربی بنگال اردو اکاڈمی، ۲۰۱۵ء)،ص ۸

۲۴۔ ایضاً،ص ۸۔۹

۲۵۔ دیکھیے،''اقبال کی کہانی،اقبال کی زبانی''،مصنفہ محمد شاہد حنیف،(لاہور: مکتبۂ حفیظ ۱۹۷۷ء)

مآخِذ

۱۔ اختر، سلیم، ڈاکٹر،''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: آغاز سے ۲۰۱۰ء تک''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء

۲۔ اقبال، جاوید،''زندہ رود، حیات اقبال کا تشکیلی دور''، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء، اشاعتِ سوم

۳۔ چند، گیان، ڈاکٹر،''اقبال کا ابتدائی کلام، بہ ترتیب ماہ وسال''، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء

۴۔ حنیف، محمد شاہد،''اقبال کی کہانی،اقبال کی زبانی''، لاہور: مکتبہ حفیظ، ۱۹۷۷ء

۵۔ خورشید، عبدالسلام، ڈاکٹر،''سرگزشتِ اقبال''، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء، طبع دوم

۶۔ درّانی، عطش، ڈاکٹر،''اصولِ ادبی تحقیق''(تکنیکی امور)، لاہور: نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، ۲۰۱۱ء

۷۔ شفیق، خرم علی،''اقبال کی منزل''(۱۹۲۷ء۔۱۹۴۲ء)، لاہور: رائیٹ وژن پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء

۸۔ ندیم، خالد، ڈاکٹر،''پیش گفتار''،''آپ بیتی علامہ اقبال''، بنگال: مغربی بنگال اردو اکادمی، ۲۰۱۵ء

۹۔ نیازی، نذیر، سیّد،''دانائے راز''، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء

ویب سائٹس

1. http://udb.gov.pk
2. www.rekhta.org